مشفق خواجہ کی تحقیقی خدمات: ایک مطالعہ

حسن نوشاہی
لیکچرار اردو
گورنمنٹ زمیندار پوسٹ گریجوایٹ کالج، گجرات

MUSHFIQ KHAWJA AS AN URDU RESEARCHER

Hasan Naushahi
Lecturer in Urdu
Govt. Zamindar Post Graduate College, Gujrat

Abstract

Mushfiq Khawaja was a great researcher, critic, poet and columnist. Collecting rare books and manuscripts remained his passion all his life. He always chooses such topics that fill the vacuum of literary history. His books and articles have the status of reference in the field of research. He always expresses his conclusion with logic and literary ethics. He is especially quoted for his renditions of Jaiza Makhtotat Urdu, Khush Marka Zeba, Iqbal Ahmad Din, Tehqeeq Nama and Kulyat e Yagana. This article revolves around Mushfiq Khawja's research interests.

Keywords:

مشفق خواجہ، لاہور، قدرت اللہ قدرت، مرزا محمد رضا، رفیع الدین سودا، مفید القاری، غزل، بانگِ درا، کراچی، تحقیق نامہ، کلیات یگانہ

مشفق خواجہ تحقیق وتدوین میں تعارف کے محتاج نہیں ہیں ۔اپنی شعوری زندگی کا بڑا حصہ انھوں نے حقائق کی دریافت ،ان کی تصدیق ،امرواقعہ کی حقیقی شکل کی تلاش یا تلاش کرنے کی کوشش ،غیر معلوم گوشوں کو جاننے اورادبی الجھنوں کے سلجھاؤ میں گزارا۔تحقیقی نتائج کو ہمیشہ منطق اوراستدلال سے پیش کیا۔ جب تک انھیں کسی نکتے پر ہر اعتبار سے ،حالات اور معلومات کے لحاظ سے ،شک وشبے کے بغیر ،اطمینان نہیں ہوتا تھااور قابل اعتماد سند نہیں ملتی تھی ،اسے پیش نہیں کرتے تھے،چاہے اس میں ایک عرصہ لگ جائے۔ تحقیق کے میدان میں وہ رشید حسن خان کے پیروکار تھے جن کا کہنا ہے:

"تحقیق میں دعوے،سند کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتے اور سند کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد ہو ۔قابل اعتماد ہونا مختلف حالات میں مختلف امور پر منحصر ہوسکتا ہے ۔اس کی قطعی حد بندی تو مشکل ہے ،لیکن اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ بظاہر حالات حوالہ مشکوک نہ معلوم ہوتا ہواور دلیل ،منطق کے خلاف نہ ہو۔"(۱)

ان کا اصل نام عبدالحی خواجہ تھا۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور میں پیدا ہوئے ۔وہ ایک عظیم محقق اور ماہر مخطوط شناس ہی نہیں، نقاد، شاعر اور کالم نگار کے طور بھی پر اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ تھے ۔نادر ونایاب کتابیں اور قلمی نسخے جمع کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔تحقیق کے لیے ہمیشہ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے جو اپنی اہمیت کی بنا پر ادبی تاریخ کے کسی نہ کسی خلا کو پر کرتے ہیں ۔ان کے مقالات ومضامین نئی تحقیقات یا پہلے سے موجود مواد میں نئے تحقیقی اضافات کی وجہ سے حوالے کا درجہ اختیار کر جاتے ہیں۔ تاریخ ادب کے غیر معلوم گوشوں کی دریافت سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی ۔قدیم اور جدید اردو ادب کا گہرا مطالعہ، عالمانہ بصیرت اور حافظہ بھی غضب کا رکھتے تھے ۔ہر ادبی محفل میں اپنی معلومات کے لحاظ سے نمایاں رہتے ۔فطری طور پر طبع موزوں بھی رکھتے تھے اور ایک زمانے تک شعر بھی کہتے رہے ۔مزاج کو غزل سے ہی مناسبت رہی ۔کالم نگاری میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے ۔

تحقیق وتدوین ان کا خاص میدان تھا۔ ان کی تحقیقی کتابیں اور مقالات، اصولِ تحقیق کی کڑی پابندی اور دلائل کی مختلف روایتوں کی مکمل چھان بین کی صفات سے مزین نظر آتے ہیں ۔تصحیح متن کے دشوار اور غیر دلچسپ کام میں وہ محنت، دیانت اور احتیاط کے خوگر دکھائی دیتے ہیں ۔تاویلات تعبیرات اور قیاسات کو حقائق کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ تحقیقی نتائج کو ثابت کرنے والے ان کے دلائل ایسے واضح اور حتمی ہوتے ہیں جن کی تردید کرنا، ناممکن لگتا ہے ۔ان کی تدوینات میں خوش معرکہ زیبا از سعادت خان ناصر اقبال از احمد دین اور کلیاتِ یگانہ از یاس یگانہ چنگیزی تحقیق وتدوین کا خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہیں۔ جائزہ مخطوطات اردو اور غالب اور صفیر بلگرامی بھی تحقیقی اعتبار سے خاصے کی چیزیں ہیں۔ علاوہ ازیں مشفق خواجہ کے تحریر کردہ مقالات مثلاً شاہ قدرت اللہ قدرت، مرزا جعفر علی حسرت، مرزا محمد رضا،

قزلباش خاں امید اور تذکرہ گلشن مشتاق سے بھی ان کی تحقیقی اپج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔یہ تمام کتابیں ان کے تحقیقی مزاج اور نکتہ رس بصیرت کی عکاسی کرتی ہیں ۔

O

جائزہ مخطوطات اردو ،۱۲۵۶، صفحات پر مشتمل اردو مخطوطات اور ان کے مصنفین کا سوانحی وکتابیاتی جائزہ ہے۔یہ کتاب ۱۹۷۹ء میں مرکزی اردو بورڈ لاہور سے شائع ہوئی۔شروع میں سات صفحات کا مختصر مگر پر مغز دیباچہ ہے، جس میں کتاب کے مرتب کرنے کا مقصد اور مخطوطات کی فہرست کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔مشفق خواجہ نے لکھا:

> ''اس کتاب کا بنیادی موضوع وہ اردو مخطوطات ہیں جو پاکستان کے مختلف سرکاری، غیر سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں بکھرے ہوئے ہیں ۔میں نے مخطوطات کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ہر مخطوطے کے دیگر نسخوں ،مطبوعہ نسخوں ،مصنف کے حالات اور مآخذ پر خاص توجہ دی ہے ۔یہ کام مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کرنے تک محدود نہیں رہا۔آپ اسے ایک ایسی کتاب حوالہ کہہ سکتے ہیں جس میں کتابوں اور ان کے مصنفین کے بارے میں ہر طرح کی معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کام روایتی فہرست سازی سے تعلق نہیں رکھتا میں نے متعدد کتابوں اور ان کے مصنفوں کے بارے میں تحقیقی مسائل بھی چھیڑے ہیں اور کسی نتیجے تک پہنچنے کی کوشش بھی کی ہے'' ۔(۲)

جائزہ مخطوطات اردو کے شائع ہونے پر مشفق خواجہ کو نامور محققین وناقدین نے اردو کا بروکلمین (C.Brokelmann) اور سی ۔اے ۔اسٹوری (C.A.Storey) قرار دیا جو بالترتیب عربی اور فارسی مخطوطات ومطبوعات کے بے مثل فہرست ساز گزرے ہیں ۔''جائزہ مخطوطات اردو'' اس سلسلے کی پہلی جلد تھی ۔کتاب کے سرورق اور پیش لفظ میں بھی اسے پہلی جلد ہی لکھا گیا ۔خواجہ صاحب نے خود اس کی دوسری جلد کے مواد کے یکجا کر لینے اور اسے ترتیب دینے کا ذکر کیا۔لیکن یہ کام بوجوہ سامنے نہ آ سکا۔اس کتاب کو مشفق خواجہ کا اہم ترین تحقیقی کارنامہ اور مخطوطات شناسی کا وقیع کام سمجھا جاتا ہے ۔دراصل وہ اس کام کو کئی جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے لیکن حالات نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ان کی خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی ۔اس جلد میں دوسو مخطوطات کے توضیحی حواشی اور ان کے دیگر ۸۷ے نسخوں کے بارے میں اہم تفصیلات تحریر کی گئی ہیں ۔یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مخطوطہ کس کتاب خانے یا شخص کی ملکیت ہے ۔ہر مخطوطے کا نمبر (اگر کسی لائبریری میں ہے)، اوراق کی تعداد، سائز، ہر صفحے پر سطور کی تعداد، زمانہ کتابت ،انداز کتابت اور سال تصنیف کی صراحت کی گئی ہے۔جن مخطوطات کے کاتبوں کے نام معلوم ہو سکے، ان کا ذکر دیا ہے ۔چاہے ان کے نام ترقیمے میں درج تھے یا خواجہ صاحب نے انداز کتابت سے معلوم کیے۔جن مخطوطات پر زمانہ تحریر و تصنیف درج

نہیں تھا،ان کے زمانۂ تصنیف کا تعین قیاسی اعتبار سے کیا ہے اوراس کے لیے زیادہ تر داخلی اور کم تر خارجی اسناد کا سہارا لیا گیا ہے۔ ہر مخطوطے کے آغاز کی تحریر (نثر ہو یا شعر) ،اختتام ،مندرجات وخصوصیات، دیگر قلمی نسخے ،مطبوعہ نسخے ،ہر مصنف کا مختصر مگر جامع تعارف اور ہر مخطوطے کے بارے میں ماٰخذ بھی درج کر دیے ہیں ۔

قدیم قلمی نسخوں میں عموماً ہجری تاریخ لکھی جاتی تھی،آج کے محققین کی آسانی کے لیے مرتب نے قلابین میں عیسوی تاریخیں درج کر کے انھیں زیادہ معتبر اور مستند بنانے کی سعی کی ہے۔ ہر مخطوطے کے خط مثلاً نستعلیق، نسخ یا شکستہ کو عمدہ، اوسط اور معمولی کے درجات سے واضح کیا گیا ہے۔مخطوطات کی ظاہری کیفیت ،ظہریہ، ترقیمہ، نسخے کی اہم خصوصیات اوران کی اہمیت کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ دلچسپ ترین امر یہ ہے کہ ہر مخطوطے کے جس قدر دیگر نسخوں کا مرتب کو علم ہو سکا ہے ان کے بارے میں بھی ضروری معلومات درج کر دی ہیں، کہ وہ کہاں کہاں پر ہیں اور کس کیفیت میں ہیں،تا کہ کوئی دوسرا محقق اگر انھیں اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہوئے کھوجنا چاہے تو اس کے لیے یہ معلومات سنگ میل ثابت ہوسکیں ۔اگر کوئی نسخہ اہم ہے اور صحت متن کے اعتبار سے مستند ہے تو اس بات کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ نسخہ معتبر ہے اور اس پر استدلال کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے نیز یہ نسخہ جات کن دائروں میں بنیادی اور ثانوی ماٰخذ کے طور پر استعمال ہوسکتے ہیں ۔ہر قلمی نسخے کے ساتھ اس کے مطبوعہ نسخوں کی تفصیل بھی بے کم وکاست پیش کر دی ہے ۔یہ تمام تفصیلات مرتب کے گہرے مطالعے، سخت محنت ،جانفشانی اور ریاضت کا پتہ دیتی ہیں ۔نامعلوم مصنفین والی کتابیں ہوں یا ناقص الاول و آخر، کتاب کے نام اور مصنف کے نام کی تلاش کے لیے اکثر اوقات ساری کتاب کو کھنگالنا پڑتا ہے ۔دوسری فہارس سے مدد بھی لینی پڑتی ہے ۔بعض دفعہ گوہر مقصود ہاتھ لگ جاتا ہے اور کئی بار ساری عرق ریزی بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے ۔اس جگر کاوی کے لیے یقیناً غیر معمولی قوت برداشت،قوت فیصلہ کے ساتھ ساتھ علم وتجربہ اور تحقیقی ذوق بھی درکار ہے۔

خواجہ صاحب نے مخطوطات کی اس فہرست کو تاریخی اور موضوعاتی ترتیب میں تیار کیا ہے اور تمام نسخوں کے مندرجات و متعلقات بھی سرسری بیان کیے ہیں ۔پہلا موضوع مذہبیات ہے جس کے ذیلی عنوانات میں تجوید وقرات ،تفسیر ،اوراد، عقائد و کلام ،درود، فقہ ،سلوک و آداب ،ہندومت شامل ہیں ۔اس حصے میں پیش کیے جانے والے اہم ترین مخطوطات میں شاہ عبدالقادر دہلوی کی موضح القرآن ،شاہ رفیع الدین کی بیان آخرت ،شاہ محمد اسماعیل شہید کی تقویت الایمان ہیں ۔ان کے علاوہ انتیس اور مخطوطات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں ۔دوسرا موضوع ''تاریخیات'' ہے جس کے مخطوطات کو تاریخ ممالک وبلاد، سیرت النبی ،تذکرہ بزرگان دین ،تذکرہ آئمہ،تذکرہ علماء ،تذکرہ ملوک ،روزنامچہ اور متفرقات کے عنوانات میں تقسیم کر کے ان کے مشمولات کی وضاحت کی گئی ہے ۔اس حصے کے اہم ترین مخطوطات میں میر قدرت اللہ قاسم کی زبدۃ الاخبار ،غریب مہدوی کی تاریخ غریبی ،مرزا محمد رفیع سودا کا قصیدہ باب الجنت ہیں۔

انھی موضوعات پر مشتمل تجیس اور مخطوطات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔تیسرے موضوع "ادبیات" میں دواوین وکلیات،مثنویات،قصص وحکایات،تذکرہ شعرا،شعری انتخاب اور بیاضیں اور قواعد وشروح کے مخطوطات کی تفصیل دی گئی ہے۔اردو ادب کے کئی نادر ونایاب نسخوں کی پہلی بار نشاندہی کی گئی ہے۔اس میں دیوان آبرو کا قدیم ترین نسخہ بھی شامل ہے جس کی کتابت آبرو کی زندگی میں ہوئی اور انھوں نے خود اس کو دیکھا یا نظر ثانی کی۔خواجہ میر اثر کا انتخاب دیوان اثر ،انشاء اللہ خاں کا دیوان انشا،خواجہ احسن الدین خاں بیان کا دیوان بیان،میر محمدی بیدار کا دیوان بیدار،جسونت سنگھ پروانہ کی کلیات پروانہ،عبدالحئی تاباں کا دیوان تاباں ،قلندر بخش جرأت کی کلیات جرأت ،شاہ الطاف حسین جویا کی بیاض جویا اور دیوان جویا،جعفر علی حسرت کی کلیات حسرت کے جملہ مخطوطات کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ولی،شاہ نصیر،میر درد،سودا،میر سوز،ناسخ،بہادر شاہ ظفر کے کلیات اور دیوان ہائے شاعری بھی اس میں شامل ہیں۔ کچھ کم معروف یا غیر معروف شعرا مثلا میر حسین شاہ حقیقت،شاہ معین الدین خاموش،غلام محمد خاں خبیر، میر غلام مصطفی سخن،طالب علی خاں عیشی،نواب مظفر الدین خاں مزاج وغیرہ کے دیوان وکلیات کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ معلومات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔میر حسن کی سحر البیان،عارف الدین خاں عاجز کی لعل و گوہر،عبرت وعشرت کی شمع و پروانہ،میر تقی میر کی دریائے عشق اور فخر الدین نظامی کی کدم راؤ پدم راؤ جیسی اہم اور ادبی اہمیت کی حامل مثنویوں کے نسخہ جات کی تصریح جامع انداز میں کی گئی ہے۔قصص و حکایات میں تحسین کی نو طرز مرصع ،رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب اور نہال چند لاہوری کی مذہب عشق وغیرہ کے نسخہ جات کی تفاصیل شامل ہیں۔چوتھا اور آخری موضوع "معقولات" ہے جس میں ریاضی ،ہندسہ ،ہیئت،موسیقی ،طب اور جنسیات کے بارے میں لکھے گئے مخطوطات کا تعارف کروایا گیا ہے۔

پہلا نسخہ جس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کا نام "مفید القاری" ہے جسے خواجہ صاحب کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق قادر خاں بن احمد خاں نے ۱۲۵۰ ہجری بمطابق ۱۸۳۴ء کے قریب تصنیف کیا ہے۔ کاتب کا نام سید عباس اور تاریخ کتابت ۱۲۷۷ ہجری،۱۸۶۱ء ہے۔نسخہ عمدہ نستعلیق کا نمونہ ہے جبکہ عربی عبارتیں خط نسخ میں لکھی گئی ہیں۔اس کا کاغذ باریک اور مٹیالا ہے جبکہ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔خواجہ صاحب نے نسخے کے آغاز واختتام کی عبارتیں بطور نمونہ درج کی ہیں۔ پہلے نسخے کا آغاز یوں ہے:

> "الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہم اجمعین۔امابعد۔یہ عاجز گناہ گار قادر خاں فرزند احمد خاں سرخ کا،رہنے والا شہر محمد پور عرف ارکاٹ کا،شاگرد قاری شیخ یوسف مکی رحمۃ اللہ علیہ کا،اس رسالہ تجوید قرآن شریف کے تئیں اوپر قرات حفص رحمۃ اللہ علیہ کے رسالوں سے عربی اور فارسی کے جمع کر کے واسطے

طالبان اس علم کے جو باتاں کہ ضرور ہیں سو سب ہندی زبان میں واسطے سمجھنے خاص و عام کے لکھ کر مفید القاری نام رکھا۔"(۳)

جائزہ مخطوطات اردو میں پیش کیا جانے والا آخری نسخہ تیرھویں صدی ہجری کا مکتوبہ "بہار عیش" ہے جو ضیائے نخشبی کی فارسی کتاب لذت النسا کا ترجمہ ہے۔ نخشبی نے بھی ترجمہ کیا ہے اور اس کے اصل مآخذ کا نام کام شاستر ہے۔ اس نسخے کے پچاس اوراق اور سطور فی صفحہ ۱۳ ہیں۔ کاتب کا نام رگنات مل ہے جس نے معمولی نستعلیق میں ۱۲۷۵ ہجری، ۱۸۵۹ء میں اس کی کتابت کی ہے۔ اسی جائزے میں مشفق خواجہ نے دیوان آبرو کے ایک قدیم ترین نسخے جو ۱۷۳۱ء بمطابق ۱۱۴۴ھ کا مکتوبہ ہے، کی جملہ خصوصیات اور اس کے دیگر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخہ جات کی کیفیات بیان کی ہیں۔ یہ نسخہ ناقص الاوسط اور ناقص الآخر ہے اور اس کے اوراق کی تعداد ۹۴ ہے۔ شکستہ مائل عمدہ نستعلیق میں اس کی کتابت کی گئی ہے۔ ہر صفحے پر ترک موجود ہیں لیکن جلد بندی میں اکثر کٹ گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس مخطوطے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دیوان آبرو کا قدیم ترین دستیاب شدہ نسخہ ہے اور آبرو کی زندگی میں کتابت ہوا ہے۔ ناقص الاوسط اور ناقص الآخر ہونے کی وجہ سے گو کلام آبرو کا ایک حصہ اس میں نہیں ہے تاہم متعدد اشعار ایسے ہیں جو مطبوعہ نسخے یا نسخۂ ثانی میں نہیں ہیں۔ مطبوعہ نسخے اور زیر نظر مخطوطے میں اختلاف متن بھی خاصہ ہے۔"(۴)

مشفق خواجہ نے جائزہ مخطوطات اردو میں اپنی مخطوطات شناسی کی مہارت اور بصیرت کی بنا پر کئی مخطوطات کے زمانۂ کتابت کو متعین کیا ہے۔ مثلاً بہادر شاہ ظفر کے دیوان اول کے ایک قلمی نسخے کو انھوں نے تیرھویں صدی ہجری کا مکتوبہ قرار دیا ہے۔ مخطوطے کے منفرد انداز تحریر پر تبصرہ کیا اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مخطوطہ ناقص الطرفین ہے۔۔۔کاتب نے صفحات پر ہندسے خاص طریقے سے لکھے ہیں مثلاً ۶۰ کو ۰۶، ۸۰ کو ۰۸، ۱۰۰ کو ۰۱۰، ۱۰۵ کو ۵۱۰، ۱۰۶ کو ۱۰۰۶ لکھا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے اوراق کی شیرازہ بندی درست ہے۔ کاغذ دبیز مٹیالا ہے ہر صفحے پر سرخ اور نیلی جدولیں ہیں۔ ہر غزل کے مقطع کے نیچے سرخ لکیریں کھینچی گئی ہیں"۔(۵)

تحقیقی کام بالخصوص مخطوطات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب حد درجہ اہمیت کی حامل ہے۔ اہل علم ان فہارس کی تیاری میں کی جانے والی دیدہ ریزی اور انتھک ریاضت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی کتابیں تحقیق کے طالب علموں کے لیے لکھی جاتی ہیں، نہ کہ عام قاری کے لیے، تا کہ حقائق کی تلاش میں ان کی رہنمائی کی جا سکے۔ یہ ایسی حوالے کی کتاب ہے جس میں تمام نسخہ جات اور ان کے مصنفین کے بارے میں تحریر کردہ معلومات کا اشاریہ ہر نسخے کے آخر میں "مآخذ" کے عنوان سے مرتب کر دیا گیا ہے۔ لیکن بے جا طوالت سے بچنے کے لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

O

تذکرہ خوش معرکہ زیبا سعادت خان ناصر (زمانہ تالیف ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء) نے اردو زبان کے شعرا کے حالات و کلام پر مشتمل اسے دو جلدوں میں تحریر کیا ہے۔ مشفق خواجہ کی ترتیب و تدوین سے یہ ۱۹۷۰ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوا۔ ۱۷۵۱ء سے لے کر ۱۷۹۹ء تک کی نصف صدی میں اردو شعرا کے حالات اور فن پر تقریباً ڈیڑھ درجن تذکرے لکھے گئے جو حیرت انگیز طور پر سب کے سب فارسی زبان میں تھے۔ اردو زبان میں شعرائے اردو پر لکھا گیا پہلا تذکرہ گلشن ہند ہے جو ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء میں مرزا علی لطف نے تحریر کیا۔ اسی سال حیدر بخش حیدری نے بھی گلشن ہند کے نام سے اردو شعرا کا تذکرہ اردو زبان ہی میں تحریر کیا۔ ان دونوں کا ماخذ فارسی زبان میں لکھا گیا علی ابراہیم خلیل کا تذکرہ گلزار ابراہیم ہے۔ انیسویں صدی کی چار دہائیوں تک کوئی اور تذکرہ سامنے نہیں آتا۔ اس کے بعد ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں امام بخش صہبائی کا تذکرہ نما انتخاب انتخاب دواوین شائع ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۸۴۵ء میں مولوی کریم الدین کا انتخاب نازنیناں طبع ہوا۔ اسی سال یعنی ۱۸۴۵ء میں سعادت خان ناصر "خوش معرکہ" کے نام ایک تذکرہ لکھتے ہیں۔ ناصر کے معاصر دوست میر علی اوسط رشک اس میں "زیبا" کا اضافہ کر کے تاریخی نام خوش معرکہ زیبا تجویز کرتے ہیں جس سے ۱۸۴۵ء کا سال برآمد ہوتا ہے۔ تذکرے کا اختتام ۱۸۴۶ء میں ہوا۔

مشفق خواجہ نے مقدمے میں ناصر کی شخصیت، معمولات، تعلقات، تصنیفات کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ تذکرے کی ترتیب و تدوین کے واقعات اور ناصر کے استعمال میں آنے والے ماخذ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے تذکرے کی نمایاں خصوصیات بیان کی ہیں۔ مرتب نے پہلی بار پیش کیے جانے والے تاریخ ادب کے ان حقائق پر بالخصوص روشنی ڈالی ہے جو کسی اور ماخذ میں بیان نہیں ہوئے اور اس تذکرے میں پہلی بار سامنے آئے ہیں۔ مثلاً ناسخ کی امرد پرستی، مصحفی و انشا کی معرکہ آرائی، امانت لکھنوی اور اس کی کتاب اندر سبھا کے بارے میں اہم معلومات، میر حسن کی مثنوی سحرالبیان کا سبب تالیف، مرزا دبیر اور ان کے استاد میر ضمیر کی ناراضی کا واقعہ اور میر تقی میر کے مزاج کے بارے میں اہم معلومات ایسے حقائق ہیں جن کا واحد ماخذ ناصر کا یہ تذکرہ خوش معرکہ زیبا ہی ہے۔ خواجہ صاحب نے مقدمے کو چودہ ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے لکھا ہے اور آخر میں حواشی تحریر کر کے اپنے بیانات اور تحقیقی نتائج کی مزید صراحت کی ہے۔ مرتب نے اس تذکرے کے علاوہ ناصر کی تصنیفات میں پانچ دیوان، مثنوی مظہر معجزات، مثنوی مختار نامہ، قصہ اگر گل اور قصہ گلشن سرور، مثنوی دربیان عقائد، مثنوی شمہ فضائل، مثنوی دربیان واقعہ کربلا، ترجمہ روضۃ السیر، ترجمہ حیات القلوب وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر کتاب کا مختصر خلاصہ پیش کیا ہے اور ناصر کے دیوان کا تعارف کرواتے ہوئے اس کے کلام پر بھی بڑی جچی تلی اور حقیقت پسندانہ رائے دی ہے۔

> ''ناصر نہ تو کسی کی پیروی میں کامیاب ہوسکا ہے اور نہ خود ہی اپنا کوئی رنگ پیدا کرسکا ہے۔اس کی قادرالکلامی اور مشاقی میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ خصوصیات کسی کے اچھا شاعر ہونے کی ضامن نہیں ہوسکتیں۔ناصر پر اپنے عہد کے اساتذہ سے زیادہ اپنے ہم مشقوں کا اثر نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری دوراز کار تشبیہوں اور رعایت لفظی سے بھری ہوئی ہے۔''(۶)

مشفق خواجہ نے مقدمے کے ابتدائی سات عنوانات میں شخصیت، خاندان، احباب، علمی و ادبی ذوق، دوستوں سے تعلقات اور تصانیف کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔انھوں نے اپنے تحقیقی نتائج کی بنیاد ہمیشہ واضح شواہد اور مستند حوالوں پر رکھی ہے۔اگر کسی زیر تحقیق مسئلے میں داخلی و خارجی شواہد دستیاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں وہ تاریخی معلومات، ذاتی بصیرت اور دروں بینی کو کام میں لاتے ہوئے قیاس کا سہارا لیتے ہیں اور اس کے لیے بھی ٹھوس بنیادیں تلاش کرتے ہیں۔مثلاً ناصر کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تمام مآخذ خاموش تھے۔اس کی تعیین میں خواجہ صاحب کا استدلال کتنا جاندار اور قابل غور ہے:

> ''ناصر کا زمانہ پیدائش تیرھویں صدی ہجری کی دوسری دہائی (۱۸۰۶۔۱۷۹۶ء) ہے۔ظاہر ہے کہ یہ محض قیاس آرائی ہے اور واضح شواہد کی عدم موجودگی میں قیاس آرائی کے بغیر چارہ نہیں، تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ناصر کا زمانہ پیدائش تیرھویں صدی ہجری کی دوسری دہائی کے بعد کا نہیں ہوسکتا کیونکہ ریاض الفصحا میں اس کے ترجمے کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ اختتام تذکرہ (۱۲۳۶ ہجری) کے وقت اس کی عمر کم از کم سولہ برس ضرور ہوگی۔''(۷)

مشفق خواجہ نے مقدمے کے آٹھویں سے چودھویں عنوانات تک تذکرے کی ترتیب و تدوین اور اس کے مصادر و مراجع کا بھرپور انداز میں تجزیہ کیا ہے۔تذکرے کے تمام خطی نسخوں اور مطبوعہ نسخوں کے خصائص بیان کیے ہیں اور مآخذ تذکروں سے استفادے کے سلسلے میں ناصر کے طریق کار پر بحث کی گئی ہے۔ناصر سے ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان کے مستند حوالے دیے نیز اس کے استعمال میں آنے والے تذکروں اور نظر انداز کیے جانے والے تذکروں کا ذکر بھی کیا۔مرتب نے مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ اگر ناصر تمام تذکروں کو سامنے رکھتا تو خوش معرکہ زیبا بصورت و اہمیت میں زیادہ وقیع اور معتبر قرار پاتا۔ان خامیوں کے باوجود ناصر کا تذکرہ اپنی روش اور مواد کے لحاظ سے منفرد ہے۔اس انفرادیت کا دعویٰ مرتب نے یوں کیا ہے:

> ''ناصر نے اپنے تذکرے کو عام روش سے ہٹ کر مرتب کیا۔شعرا کے تراجم حروف تہجی کے اعتبار سے جمع نہیں کیے، بلکہ ترتیب تذکرہ کی بنیاد استادی شاگردی کے تعلق پر رکھی ہے۔پہلے استاد کا ذکر کیا ہے۔پھر اس کے شاگردوں کا اور پھر شاگردوں کے شاگردوں کا۔اس

"طرز اسامی شعرا" کو بھی ناصر نے اپنی ایجاد کہا ہے ۔اور اس کا یہ دعوی درست ہے ۔خوش معرکہ زیبا سے پہلے اور بعد میں بھی کوئی تذکرہ اس نہج پر مرتب نہیں ہوا۔"(۸)

اس تذکرے کے تین حصے ہیں ۔پہلے حصے میں ان شعرا کا ذکر ہے جن کی استادی شاگردی معلوم ہے ۔دوسرے حصے میں ان شعرا کے تراجم ہیں جن کی استادی شاگردی کا پتہ نہیں چل سکا ۔تیسرا حصہ شاعرات کے متعلق ہے ۔۸۲۶ شعرا کا مختصر احوال اور نمونہ کلام دیا گیا ہے ۔پہلے حصے میں ۶۴۴ تراجم ہیں ۔دوسرے حصے میں ۱۶۸ اور تیسرے حصے میں ۱۴ تراجم ہیں ۔ناصر کے معاصر لکھنوی شعرا کے سلسلے میں بھی یہ تذکرہ اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے ۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تذکرے میں تقریباً ایک سو ایسے لکھنوی شعرا کے تراجم ہیں جن کا کلام، نام بلکہ ذکر تک کسی دوسری تاریخ یا تذکرے میں نہیں ملتا ۔بعض شعرا کے تراجم ناصر نے دو دو مرتبہ شامل کر دیے ہیں مثلاً ولی گجراتی ، میاں ولی، فارغ اور بیتاب تخلص کے دو دو شاعر، میر مراد علی حیرت اور پھر مراد علی حیرتی اور مرزا ابراہیم بیگ شرر کے تراجم وغیرہ ۔ناصر کا ایک ہی شخصیت کو مختلف تذکروں میں نام کی ہلکی سی تبدیلی کی بنا پر دو سمجھنا ، دراصل تمام دستیاب تذکروں سے استفادہ نہ کرنے کا نتیجہ ہے ۔اسی طرح تذکرے میں متعدد شعرا ایسے بھی ہیں جن کے صرف تخلص لکھے گئے ہیں اور نام نہیں لکھے گئے لہٰذا ان کی پہچان میں بھی الجھن ہوتی ہے ۔شعرا کے خلاف لکھتے ہوئے بھی احتیاط نہیں برتی مثلاً میر درد کو تعصب پیشہ کہہ دیا اور مومن خاں مومن کے بارے میں بے بنیاد باتیں لکھ دیں ۔بقول مشفق خواجہ:

> "ماخذ تذکروں سے استفادے کے سلسلے میں ناصر کا طریق کار یہ ہے کہ اس نے ایک شاعر کے لیے ایک ہی تذکرے کے بیانات کو کافی سمجھا ہے یعنی اگر کسی شاعر کا ذکر ایک سے زیادہ تذکروں میں ہے تو اس نے ایک سے استفادہ کیا ہے اور باقی کو نظر انداز کر دیا ہے ۔اس وجہ سے خوش معرکہ زیبا کے تراجم شعرا میں وہ جامعیت پیدا نہیں ہو سکی جو مختلف تذکروں میں بکھری ہوئی معلومات کو یکجا کرنے سے ہو سکتی تھی ۔۔۔اسی طرز عمل کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ بعض شاعروں کے تراجم ایک سے زائد مرتبہ شامل تذکرہ ہو گئے اور ناصر انہیں مختلف شعرا کے تراجم سمجھتا رہا۔(۹)

مشفق خواجہ نے اپنے مقدمے میں تذکرے کے ضمن میں کی جانے والی مخالفتوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے ۔کئی شعرا مثلاً میر علی اوسط رشک اور سید محسن علی محسن ، ناسخ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے ۔دونوں نے تذکرے کی تالیف کے دوران ناصر کی بہت مدد کی اور ان کی اعانت کا اعتراف ناصر نے بھی تذکرے کے خاتمے میں کیا ہے ۔تذکرے کی تکمیل کے بعد ان کی رائے بدل گی اور انھوں نے اسے "تذکرہ شر کا" کے نام سے یاد کیا ہے۔

مشفق خواجہ نے ناصر کے انتخاب کلام ،ناقدانہ بصیرت ،انداز تحریر اور اس کی ترجیحات پر طویل بحث کی ہے ۔مثلاً وہ کلام کے انتخاب کے سلسلے میں کسی اصول کو پیش نظر نہیں رکھتا۔تذکرے میں بڑی تعداد ایسے شعرا کی ہے جن کے ایک یا دو شعر انتخاب میں دیے ہیں ۔البتہ اس کے اپنے عہد کے شعرا اس کی توجہ کا زیادہ مرکز بنے لہذا ان کے کلام کا انتخاب بہتر اور ناصر کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ ہے ۔تاہم ناصر نے انتخاب کلام کو بنیادی اہمیت ضرور دی ہے اور ایسے شعرا کے تراجم تذکرے میں شامل نہیں کیے جن کا کلام اسے دستیاب نہیں ہوا۔تعداد اشعار کے بارے میں بھی اس نے کوئی خاص معیار پیش نظر نہیں رکھا۔اکثر شعرا جن کی بے حد تعریف کی ہے،ان کا ایک آدھ شعر ہی انتخاب کا حصہ بنایا ہے ۔جبکہ بعض شعرا جن کے خلاف لکھا ہے،ان کے اشعار کا طویل انتخاب دے دیا ہے۔شعروں کے غلط انتساب کی مثالیں تذکرے میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔بعض دفعہ ایک ہی شعر کو دو شعرا کی ملکیت قرار دے دیا ہے۔

خوش معرکہ زیبا دو جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے ۔پہلی جلد میں ۳۴۴ شعرا کے تراجم اور دوسری جلد میں ۴۸۰ شعرا کے تراجم ہیں۔مرتب نے خوش معرکہ زیبا کی تدوین میں چار قلمی نسخے اور دو مطبوعہ نسخے استعمال کیے ہیں جن میں نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،بانکی پور ،پٹنہ(یہ قدیم ترین دستیاب شدہ نسخہ ہے اس کی کتابت کالکا پرشاد نے ۱۲۶۳ھ میں مکمل کی)،نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی، نسخہ کتب خانہ لکھنو یونیورسٹی اور نسخہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (مشفق خواجہ نے اسے مصنف کے ابتدائی مسودے کی نقل اور ترمیم شدہ متن قرار دیا ہے ۔)قلمی نسخوں کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ نسخہ انجمن کراچی کو اساسی نسخہ کے طور پر استعمال کیا اور تصحیح متن کے لیے نسخہ پٹنہ کی نقل سے مدد لی گئی ہے۔ نسخہ علی گڑھ اور نسخہ لکھنو کے وہ تراجم جو پٹنہ اور انجمن کے نسخوں میں نہیں ہیں انھیں ایک ضمیمے کی صورت میں تذکرے کے آخر میں یک جا درج کیا گیا ہے ۔طریق تدوین کی وضاحت کرتے ہوئے مرتب نے لکھا ہے:

> ”نسخہ پٹنہ کو متن میں جگہ دی گئی ہے اور نسخہ انجمن کے اختلافات حواشی میں دیے گئے ہیں ایسے تمام حواشی جن کے آخر میں مرتب کا لفظ نہیں ہے ،لازماً نسخہ انجمن کی عبارتوں پر مشتمل ہیں۔۔نسخہ انجمن کی ایسی تمام عبارتیں یا اشعار جو نسخہ پٹنہ سے زائد ہیں ،انہیں متن میں داخل کیا گیا ہے اور یہ تمام عبارتیں اور اشعار قوسین میں ہیں ۔اگر کسی جگہ نسخہ پٹنہ میں اجمال ہے اور نسخہ انجمن میں تفصیل ہے تو نسخہ انجمن کی عبارت ہی غلط تھا،اسے مآخذ تذکروں یا متعلقہ شاعر کے دیوان کے مطابق درست کر دیا گیا ہے اور ناصر کا پیش کردہ متن حاشیے میں دیا گیا ہے“۔(۱۰)

املا کے سلسلے میں مرتب نے اصل مخطوطوں کی پیروی نہیں کی ۔قدیم املا کو جدید املا کے مطابق لکھا گیا ہے تا کہ آج کے قاری کے لیے کوئی الجھن پیدا نہ ہو ۔کیونکہ تذکرے کے مخطوطوں میں اکثر الفاظ کو

تیرھویں صدی ہجری کے عام املا کے مطابق غلط لکھا گیا ہے مثلا (مسنوی بجائے مثنوی، ذخیم بجائے ضخیم)۔ رموز اوقاف اور پیراگراف مرتب نے خود قائم کیے ہیں، اصل مخطوطوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ انتخاب اشعار میں ایک ہی شاعر کی مختلف غزلوں کے اشعار کے درمیان مرتب کی طرف سے لکیریں کھینچی گئی ہیں تا کہ مختلف زمینوں کے اشعار میں امتیاز کیا جا سکے۔ ہر شاعر کے ترجمے سے پہلے اس کے نام کی سرخی اور نمبر شمار بھی مرتب کا اضافہ ہیں۔ حواشی کی تیاری میں بڑی محنت اور عرق ریزی کی گئی ہے۔ تذکرے میں قصہ گوئی کا انداز پایا جاتا ہے جو نئی معلومات کے ساتھ تذکرے کی تحریر میں دلچسپی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ انداز ناصر کے پیشروؤں میں نہیں ملتا البتہ آزاد کی ''آب حیات'' میں اس کے اثرات کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مشفق خواجہ کے بقول ''محمد حسین آزاد نے آب حیات میں قصہ گوئی کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کے ابتدائی نقوش خوش معرکہ زیبا ہی میں ملتے ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ آزاد نے یہ انداز ناصر کی پیروی ہی میں اختیار کیا ہو۔''(۱۱) اس تذکرے میں اعضائے جسمانی کے متعلق لکھے گئے کئی شعرا کے فحش اشعار بھی شامل تھے۔ مرتب نے ایسے الفاظ حذف کرتے ہوئے وہاں پر نقطے لگا دیے اور مقدمے میں ان امور کی نشاندہی یوں کی ہے:

> ''تذکرے میں متعدد مقامات پر ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو موجودہ معیار اخلاق کے مطابق فحش سمجھے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ عموماً بعض اعضائے جسمانی یا وظائف جسمانی سے متعلق ہیں۔ ایسے تمام الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں اور متعلقہ مقامات پر نقطے لگا کر حواشی میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہاں سے کوئی فحش لفظ حذف کیا گیا ہے۔''(۱۲)

مشفق خواجہ نے ناصر کے طنز و مزاح پر مبنی واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اس کی خداداد صلاحیت کی تعریف کی ہے۔ یہ خوبی اس کی تحریر کو خشک نہیں بننے دیتی۔ ناصر کے طنز میں بڑی نشتریت نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے اپنے معاصرین کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''ناصر کے طنز میں بلا کی ذہانت پائی جاتی ہے۔ کہیں تو وہ رعایت لفظی سے طنز پیدا کرتا ہے اور کہیں بیان واقعہ سے، کہیں واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے تبصرے سے۔ یہ تبصرہ عموماً ایک مختصر جملے پر مشتمل ہوتا ہے۔'' اتنی محنت اور ریاضت کے باوجود مشفق خواجہ اس تذکرے کی ترتیب و تدوین سے مطمئن نہیں تھے۔ جس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے:

> '' راقم الحروف اپنے مرتبہ متن سے مطمئن نہیں ہے کیونکہ ایک ہی قلمی نسخہ (نسخہ انجمن) پیش نظر تھا جس کا مقابلہ نسخہ پٹنہ کی نقل سے کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی نقل خواہ کتنی ہی احتیاط سے تیار کی گئی ہو، اصل کی بدل نہیں ہو سکتی۔ علی گڑھ اور لکھنؤ کے نسخوں سے راقم نے جزوی استفادہ کیا تھا اور وہ بھی بالواسطہ، ضرورت اس امر کی ہے کہ چاروں قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر اس اہم تذکرے کو دوبارہ مرتب کیا جائے۔ مستند متن چاروں نسخوں سے براہِ راست استفادے کے ذریعے ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔''(۱۳)

O

مشفق خواجہ کا ایک اوراہم علمی کام احمد دین کی کتاب اقبـــال ہے ۔یہ اقبال کی زندگی میں ان پر لکھی جانے والی پہلی تنقیدی کتاب ہے ۔احمد دین، اقبال کے قریبی دوستوں میں شمار ہوتے تھے ۔وہ انجمن حمایت اسلام کے سرگرم کارکن اورلاہور کی ادبی محفلوں میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔اقبال، احمد دین سے چند برس چھوٹے تھے،لیکن دونوں کے ادبی مزاج کی ہم آہنگی نے عمر کے اس فرق کوختم کردیا تھا۔احمد دین نے ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال کے کلام کے بارے میں ایک کتاب جس کا پورا نام اقبال:علامہ سر محمد اقبال کی اردو منظومات ، ان کے مقصد شاعری اور خیالات کی نشوونما ،مضامین کلام اور طرز بیان پر ایک نظر تھا لیکن بالعموم اس کا نام صرف ''اقبال'' ہی لکھا جاتا ہے۔یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل تھی جنھیں بالترتیب کلام اقبال، مضامین کلام اورطرز بیان کے عنوانات سے موسوم کیا گیا۔احمد دین نے اقبال کے دوراول کی شاعری کا جائزہ پیش کیا ہے اوران کی تین نظموں نالۂ یتیم ،ایک یتیم کا خطاب ہلال عید کو،اور ابر گہر بار اورفریادامت پر تبصرہ کیا ہے ۔اقبال کے متصوفانہ خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے احمد دین نے یہ بتایا ہے کہ اقبال نے تصوف کی گود میں پرورش پائی تھی ۔وہ تصوف سے رغبت رکھتے تھے لیکن اس تصوف کے قائل نہیں تھے جو انسان کوخود فراموش بنا دے۔ وہ اس تصوف کے قائل ہیں جوعین خودی اور پیغام عمل ہے ۔یہ پیغام ہی کلام اقبال کی اصل روح ہے اوراسی کی گونج شروع سے آخر تک سنائی دیتی ہے ۔احمد دین کے بقول:''اقبال کے مذہب میں 'عمل' زندگی کا اصل اصول ہے اوراس کے نزدیک ہماری روحانی ترقی اورتنزل بھی عمل سے وابستہ ہے ۔بہشت کی نعمتیں،دوزخ کا عذاب اسی عمل کا نتیجہ ہے۔''(۱۴)

احمد دین اقبال کے طرز بیان کوفکر اور موضوع کے اعتبار سے منفرد گردانتے ہیں کیونکہ وہ مناظر فطرت اور مادی دنیا سے اخلاقیات ،معاشرت اور سیاسیات کے زریں اصول اخذ کرتا ہے اور مسائل فلسفہ کے ایسے نکات کا استدلال کرتا ہے جن سے عقل حیران رہ جاتی ہے ۔احمد دین کی ناقدانہ بصیرت کا مشفق خواجہ اعتراف کرتے ہیں:

> ''کلام اقبال کے اس پہلو پر کسی دوسرے نقاد نے اس انداز سے روشنی نہیں ڈالی ۔احمد دین نے تفصیل سے بتایا ہے کہ اقبال جب بھی کسی قومی وملی مسئلے پر یا انسانی زندگی کے کسی پہلو پر اظہار رائے کرتے ہیں اورانسانی فطرت کی پیچ در پیچ گتھیوں کو سلجھاتے ہیں تو خود فطرت ہی ان کے لیے ایسی مثالیں مہیا کر دیتی ہے جن سے ان کے شاعرانہ مطالب کو سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔''(۱۵)

اس کتاب کے شائع ہونے پر اقبال نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ۔کیونکہ اس کتاب میں موجود اکثر نظمیں اقبال کی آنے والی کتاب بانگ درا کا حصہ تھیں ۔احمد دین نے ایک تو اقبال کی ناپسندیدگی اور دوسرا اس خیال سے کہ ان کی کتاب کی اشاعت سے بانگ درا کی اشاعت کو نقصان پہنچے گا ،اپنی کتاب خود ہی تلف کر دی ۔دو نسخے کسی طرح بچ گئے جو احمد دین کے وارثوں کے پاس اب بھی موجود ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

> ''اقبال کے متعلق کتاب مولوی احمد دین نے مرتب فرمائی تھی ۔اس میں ایسی نظمیں بھی شامل تھیں جنھیں اقبال اپنے کلام سے خارج کر چکے تھے ۔ایک کاپی دیکھ کر غالباً اقبال نے اسی خیال سے ہلکے انداز میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا ،بلا واسطہ نہیں بالواسطہ۔مولوی صاحب نہایت مخلص دوست تھے ،ان کے اخلاص کا تقاضا یہ ہوا کہ سرسری بیان سنتے ہی مزید استفسار یا رودر رو گفتگو کا بھی انتظار نہ کیا اور پوری کتاب جلوا دی۔''(۱۶)

دوسری بار کچھ تبدیلیوں کے ساتھ یہ کتاب دوبارہ شائع کی گئی ۔دونوں اشاعتیں مواد ہی نہیں، ضخامت کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے خاصی مختلف ہیں ۔پہلی اشاعت ۲۳۲ صفحات کی ،جبکہ دوسری اشاعت ۲۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔خواجہ صاحب نے دونوں طباعتوں کے مطالب کو مفصل مقدمے کے ساتھ انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کیا ۔یہ کتاب ۵۲۷ صفحات کو محیط ہے ۔اختلاف نسخ اور تفصیلی حواشی مرتب کی تحقیقی ریاضت کا پتہ دیتے ہیں ۔دوسری اشاعت کو بنیادی نسخہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس کے متن کو اصلی صورت میں بحال رکھا ہے ۔اختلافِ نسخ میں پہلی اشاعت میں شامل اضافی عبارتیں درج کرتے ہوئے یہ بھی نشان دہی کر دی گئی ہے کہ کون سی عبارت دوسری اشاعت میں کس مقام سے حذف کی گئی ہے ۔علاوہ ازیں اقبال کے وہ اشعار جو بانگِ درا کی پہلی اشاعت میں شامل نہیں تھے یا اصلاح، ترمیم واضافہ کے ساتھ شامل کیے گئے تھے، اختلاف نسخ میں ان کی بھی صراحت کر دی گئی ہے ۔

O

غالب اور صفیر بلگرامی مشفق خواجہ کی تحریر کردہ ایک اہم تحقیقی دستاویز ہے جو غالب اور ان کے شاگرد صفیر بلگرامی کے باہمی تعلق کو تاریخی حوالوں سے ثابت کرتی ہے ۔کتاب میں شامل بعض نادر تحریریں اس کی وقعت کو بڑھا دیتی ہیں ۔مختصر دیباچے کے بعد صفیر کے حالات اور اس کی تصانیف کا مختصر تعارف لکھا گیا ہے ۔کتاب میں مکتوبات غالب بنام صفیر اور مکتوبات صفیر بنام غالب پہلی بار مکمل اور مستند ترین صورت میں پیش کیے گئے ہیں ۔ان میں غالب کے چھ اور صفیر کے پانچ خطوط ہیں ۔غالب کے نام صاحب عالم مارہروی اور شاہ عالم مارہروی کا ایک ایک خط، جبکہ میر ولایت علی کے نام غالب کے نایاب

خطوط بھی اس میں شامل ہیں۔یہ ۲۰۷ صفحات میں، پہلے کراچی اور پھر دہلی کے مکتبہ جامعہ سے شائع ہوئی۔غالب وصفیر کی ملاقات اور صفیر کے اہم تذکرے جلوۂ خضر اور شعر وشاعری کے منفرد موضوع پر لکھی جانے والی کتاب محشرستان خیال پر بھی خواجہ صاحب نے تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ کتاب میں شامل اہم یا تشنہ پہلوؤں کے حواشی بھی لکھے گئے ہیں ۔محشرستان خیال میں اپنے اساتذہ سے منحرف ہونے والے شعرا کو لعن طعن کی گئی ہے اور مشرق ومغرب کی شاعری کو تقابلی انداز میں دیکھا گیا ہے۔خواجہ صاحب کے بقول ''گو اس مطالعے میں گہرائی نہیں ہے لیکن آج سے سو سال پہلے اس موضوع پر اردو میں کسی تحریر کا لکھا جانا قابل توجہ ہے۔''(۱۷)

تحقیق نامہ کے مضامین مثلاً میر محمد رضا قزلباش خاں امید، شاہ قدرت اللہ قدرت، مرزا جعفر علی حسرت اور تذکرہ گلشن مشتاق بھی خواجہ صاحب کی تحقیقی دروں بینی کی عمدہ مثالیں ہیں ۔ان مضامین میں انھوں نے شعرا کے حالات اور ان کے دواوین ومجموعہ ہائے کلام پر تحقیقی بحث کی ہے ۔امید اور قدرت بارھویں صدی ہجری کے شاعر ہیں ۔ان دونوں مضامین کو خواجہ صاحب نے حواشی کے علاوہ کئی ضمنی حصوں میں تحریر کیا ہے ۔امید کے سات جبکہ قدرت کے سولہ حصے ہیں ۔ہر حصہ، کسی خاص پہلو مثلاً نام، خاندان، حیات وخدمات اور قلندرانہ کیفیات وغیرہ کو مختصر مگر جامع طور پر پیش کرتا ہے۔''شاہ قدرت اللہ قدرت'' کے مضمون میں تذکروں میں موجود شاہ قدرت کے تراجم کا محاکمہ کرتے ہوئے غیر مستند، مستند اور قابل اعتبار معلومات کو واضح کیا ہے ۔غلط واقعات کو واضح شواہد سے رد کیا ہے ۔نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے اور حواشی میں قدرت کے دونوں دیوانوں کو مرتب کرنے اور شائع کرنے کی اطلاع بھی دے رہے ہیں جو بوجوہ سامنے نہ آسکے۔نسخہ انجمن کراچی سے شاہ قدرت اللہ قدرت کی ایک منفرد غزل بھی درج کی ہے:

کس کی نیرنگی یہ برقِ خاطرِ مایوس ہے
جو شرر دل سے اٹھے سو جلوۂ طاؤس ہے
صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی ،اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دوتین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

شاہ قدرت کے مضمون میں وہ ان کے دیوان کے چار قلمی نسخوں کا تعارف پیش کرتے ہیں۔قومی عجائب گھر کراچی میں موجود نسخے کو وہ شاعر کا مکتوبہ نسخہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس دیوان کے اشعار میں جا بجا ردو بدل اور مصرعوں میں اصلاحات اور اضافے ملتے ہیں۔بعض اشعار بین السطور بھی لکھے گئے ہیں۔ترمیم واضافے کا یہ کام یقیناً مصنف ہی کرسکتا ہے۔خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''یہ نسخہ اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں جا بجا اصلاحیں اور اضافے ملتے ہیں جو ظاہر ہے کہ مصنف کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا۔ورق ۱۶ب کے ابتدائی تین اشعار تک یہ مخطوطہ عمدہ نستعلیق میں کسی نامعلوم کاتب کے قلم سے ہے۔اسی ورق سے ایک دوسرا رواں دواں شکستہ مائل خط شروع ہوتا ہے۔حواشی پر تمام اضافے اور اصلاحیں بھی اسی خط میں ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ ورق ۱۶ب سے اس کی کتابت خود مصنف نے کی ہے۔مصنف نے پہلے یہ دیوان کسی کاتب سے نقل کرانا شروع کیا مگر بعد میں خود ہی اس کی تکمیل کی۔اصلاحوں اور اضافوں کا عمل مخطوطے کے تمام اوراق پر ہے۔''(۱۸)

شاہ قدرت کے ایک دیوان پر درج "کلیم بلیغ زماں" کے الفاظ کو خواجہ صاحب نے قیاساً دیوان کے آغاز،اختتام یا شاعر کی وفات کا مادہ تاریخ قرار دیا ہے۔کیونکہ ان الفاظ کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۰۲ ہے۔تیرھویں صدی ہجری اور اس سے پہلے کتابوں کے آغاز و اختتام اور اہم واقعات کی مادۂ تاریخ سے نشاندہی کی مضبوط روایت نظر آتی ہے۔مشفق خواجہ کے بقول:''لطف نے شاہ قدرت کا سال وفات ۱۲۰۵ھ لفظ 'شاید' کی قید کے ساتھ لکھا ہے اور اس طرح مزید تحقیق کی گنجائش رکھی ہے۔لفظ شاید کی بنا پر مذکورہ مادہ تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ قدرت کے سال وفات کو متعین کیا جاسکتا ہے''۔(۱۹) اسی طرح کا ایک اور اہم مضمون ''مرزا جعفر علی حسرت'' پر ہے جو دبستانِ لکھنو کے بانیوں میں سے ہیں اور جن کے یہ اشعار زبان زد خاص وعام ہیں:

کس کا ہے جگر، کس پہ یہ بیداد کرو گے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کرو گے
تمھیں غیروں سے کم فرصت، ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا، نہ تم خالی، نہ ہم خالی (۲۰)

آزاد کے علاوہ سبھی تذکرہ نگاروں نے حسرت کو استادِ فن لکھا ہے۔یہ افسوس ناک امر ہے کہ ادبی مورخین نے انھیں دوسطری حواشی سے زیادہ وقعت نہیں دی حالانکہ وہ جرات،نواب محبت خاں محبت اور خواجہ حسن جیسے شعرا کے استاد تھے۔ان عظیم شعرا کی ادبی تربیت حسرت ہی کے مرہون منت ہے۔ان بڑے شعرا کو

منظرِ عام پر لانے والے حسرت جیسے شاعر کو نظر انداز کرنے پر مشفق خواجہ افسردہ ہیں ۔"جو شعرا بڑے شاعروں کے منظرِ عام پر آنے کی راہ ہموار کرتے ہیں ،ان کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔"(۲۱) مضمون میں حسرت کی پیدائش و خاندان ،تعلیم ،کردار و شخصیت اور شاگردان رشید کا مختصر احوال لکھا ہے ۔قیامِ دہلی ،ورود لکھنو اور فیض آباد میں قیام کے حوالے سے مستند واقعات تحریر کیے ہیں ۔حسرت کی سودا اور مصحفی سے ہونے والی معرکہ آرائیوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔اس ضمن میں لکھی جانے والی ہجویات اور کچھ قصائد بھی انھوں نے نمونے کے طور پر درج کیے ہیں ۔علاوہ ازیں مضمون نگار نے کلامِ حسرت کے نو نسخہ جات کا تعارف اور ان کے نمایاں خصائص بھی بیان کیے ہیں ۔

O

کلیاتِ یگانہ از یاس یگانہ چنگیزی، مشفق خواجہ کی تدوینی صلاحیتوں کا خوبصورت ترین نمونہ ہے ۔تدوین میں صحتِ متن کا ایسا اہتمام کم کم نظر آتا ہے ۔ستایش کی تمنا کے بغیر جس صحت اور احتیاط کے ساتھ انھوں نے یہ کلیات مرتب کی ہے ،اس کی کوئی دوسری مثال عصرِ حاضر میں نظر نہیں آتی ۔دوسرے مدونین کے برعکس انھوں نے اپنا نام ٹائٹل پیج کے بجائے اندرونی ورق میں غیر نمایاں سا لکھوایا ہے ۔یگانہ کے شعری مجموعے ان کی اپنی زندگی میں شائع تو ضرور ہوئے لیکن ان کی اپنی بے پروائی اور کاتبوں کی سہو و خطا سے اکثر مسخ صورت میں ہی سامنے آتے رہے ۔گویا ان کا پورا کلام کبھی شائع نہیں ہوا تھا اور جو مجموعے شائع ہوئے تھے ،ان سے بھی کسی سلیقے کا اظہار نہیں ہوتا تھا ۔خواجہ صاحب نے یگانہ کے حوالے سے تمام تر مواد کو جمع کیا جس میں یگانہ کی کتابوں کے خطی نسخے ،مطبوعہ نسخے اور مختلف اوقات میں شائع ہونے والے ان کے تمام اڈیشنز ،رسالہ جات جن میں یگانہ کا کلام شائع ہوتا رہا ،ان کے خطوط ،بیاضیں یا نظر ثانی شدہ مسودہ جات شامل ہیں ۔خصوصاً ان تمام بنیادی مصادر تک رسائی حاصل کی جو یگانہ کے اپنے تحریر کردہ تھے ۔قومی عجائب گھر کراچی سے انھوں نے یگانہ کے اپنے ہاتھ کی تحریر کردہ تین بیاضیں بھی ڈھونڈ نکالیں ۔اس سلسلے میں گنجینہ کا قلمی نسخہ ،خود نوشت یاس اور کجکول (ایک بیاض) کا حصول بھی ان کی بڑی کامیابی تھی ۔انھوں نے مختلف واقعات کی کڑیاں جوڑتے اور ان میں منطقی ربط پیدا کرتے ہوئے یگانہ کی داستانِ حیات اور اس کے کلام کے مستند اور خوبصورت مرقعے پیش کیے ہیں ۔

یگانہ کا پہلا مجموعہ نشترِ یاس ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ۔دوسرا مجموعہ آیاتِ وجدانی ۱۹۲۷ء میں طبع ہوا ۔یگانہ کی شاعرانہ اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک اسی دوسرے مجموعے پر ہے ۔اس مجموعے میں یگانہ نے مرزا بیگ شیرازی کے نام سے محاضرات لکھے جن کے سامنے کلامِ یگانہ کی اہمیت ثانوی نظر آتی ہے ۔۱۹۳۳ء میں ترانہ کی اشاعت عمل میں آئی ۔عام کتابی سائز میں نہ ہونے کی وجہ سے یہ مجموعہ نایاب ہو گیا ۔۱۹۳۴ء میں آیاتِ وجدانی کا دوسرا اڈیشن اور ۱۹۴۵ء میں تیسرا اڈیشن سامنے آیا ۔تیسرے اڈیشن

میں یگانہ نے محاضرات کے ساتھ اپنے دس مضامین بھی شامل کر دیے جن میں دو مضامین کے علاوہ باقی تمام مضامین کا یگانہ کی ذات یا شاعری سے کوئی ربط نظر نہیں آتا ۔۱۹۴۶ء میں یگانہ نے گنجینہ کے نام سے اپنے کلام کو خود مرتب کیا لیکن اس کی اشاعت تقسیم ہند کے بعد عمل میں آئی ۔ان تمام نسخہ جات میں کتابت کی بے پناہ غلطیاں موجود ہیں۔خواجہ صاحب نے کلام یگانہ کی اس ابتر صورتحال کو دیکھتے ہوئے اسے مرتب کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے ایک تنقیدی متن تیار کیا۔وہ خود لکھتے ہیں:

> ''کلام یگانہ کی یہ ابتری دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ یگانہ کا کلیات مرتب کر دیا جائے ۔اگر صرف مطبوعہ نسخوں کو یک جا کرنا ہوتا تو یہ کام بہت آسان تھا۔لیکن اس میں یہ امر مانع ہوا کہ گنجینہ کی اشاعت کے بعد یگانہ تقریباً آٹھ نو برس زندہ رہے،اس زمانے کا کلام شامل کیے بغیر کلیات مکمل نہیں ہوسکتا۔''(۲۲)

بالعموم اگر کسی کتاب کے مختلف نسخوں یا طباعتوں کا موازنہ کریں تو یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی شعر یا مصرع ایک نسخے میں اور طرح ،جب کہ کسی دوسرے نسخے میں اس کی شکل کلی یا جزوی طور پر مختلف ہوتی ہے کیونکہ اکثر تخلیق کار اپنے فن پاروں کو بہتر بنانے کے لیے کانٹ چھانٹ کرتے رہتے ہیں ۔ایسی صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تبدیلی شاعر یا مصنف نے نہ کی ہو اور کاتب کی بے پرواہی سے یہ متن کا حصہ بن گئی ہو جیسا کہ کلام یگانہ کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے ۔اسی طرح یہ بھی امکان ہے کہ مصنف نے تو تبدیلی کی ہو لیکن کاتب نے دانستہ یا نادانستہ اسے متن میں شامل نہ کیا ہو۔سبب کچھ بھی ہو،اس صورت حال میں مدون کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ کونسا متن منشائے مصنف کے مطابق ہے،انتہائی مشکل اور صبر آزما کام ہے ۔ایسی صورت میں کسی ایک نسخے کی بنیاد پر ،یا اپنی پسند ناپسند کی بنیاد پر ،یا عجلت میں کیا گیا فیصلہ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔یہ اسی وقت ممکن ہے، جب تمام ممکن الحصول مصادر اور شواہد سے استفادہ کر لیا جائے ۔بصورت دیگر تحقیق وتدوین کا کام غیر معیاری اور اغلاط سے بھرپور ہو گا۔مشفق خواجہ نے ان تمام اصولوں کو مختلف متون کی ترتیب وتدوین میں عملی طور پر برت کر دکھایا ہے۔

مشفق خواجہ نے یگانہ کی شاعری پر کہیں بھی اظہار خیال نہیں کیا۔نہ کوئی رائے دی اور نہ ہی کسی قسم کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔اس سلسلے میں ان کا نکتہ نظر ،یہ تھا کہ شاعری کی تنقید ایک الگ موضوع ہے اور تدوین متن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔تدوین میں ضروری امر یہ ہے کہ متن کو منشائے مصنف کے مطابق ترتیب دیا جائے ۔ان کا خیال ہے کہ متن کے مرتب کو صرف اور صرف صحت متن پر توجہ دینی چاہیے۔متن کے اسلوب اور مواد پر، اسے کوئی رائے دینے سے احتراز برتنا چاہیے کیوں کہ تنقیدی رائے دینا اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔کلیات کی ترتیب وتدوین کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

''بہت سوچ بچار کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام مجموعے جس ترتیب سے چھپے ہیں اسی ترتیب سے کلیات میں شامل کیے جائیں اور شروع میں تمام غزلیات و رباعیات کی ردیف وار فہرستیں دے دی جائیں۔اس یہ فائدہ ہوگا کہ کلام اسی ترتیب سے سامنے آئے گا جس ترتیب سے(بڑی حد تک) لکھا گیا اور پھر مجموعوں کی صورت میں شائع ہوا۔''(۲۳)

ابتدا میں اکیس صفحات کا پر مغز اور عالمانہ مقدمہ لکھا ہے اور اڑتالیس صفحات میں یگانہ کا سوانحی خاکہ تحریر کیا ہے۔تنقیدی متن پانچ سو صفحات کو محیط ہے۔تین سو صفحات میں حواشی اور اختلاف نسخ کو مکمل صراحت سے تحریر کیا ہے۔خواجہ صاحب نے یگانہ کی تمام کتابوں آیات وجدانی ،ترانہ اور نشتریاس کی ابتدائی اشاعتیں اور اس دور کے اہم ادبی رسائل کو بھی متن کی تصحیح اور کلام کے زمانۂ تصنیف کو متعین کرنے کے لیے استعمال کیا۔ان رسائل کے شماروں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔خواجہ صاحب نے حواشی وحوالہ جات ہر مجموعے کے صفحات کے حوالے سے تحریر کیے۔حسب ضرورت مختلف موضوعات کے مفصل حواشی لکھے ہیں ۔یہ حواشی مندرجات کی مکمل فہرست کا کام دیتے ہیں۔کلام یگانہ میں غیر مانوس الفاظ بھی کثرت سے ہیں جو شعری تفہیم میں قاری کے لیے الجھن کا باعث بنتے ہیں اور عام لغات میں ان کے معانی بھی نہیں ملتے ۔مشفق خواجہ نے ان غیر مانوس الفاظ کی فرہنگ بھی تیار کی اور وہ معانی درج کیے جو شاعر کا مقصود اور مطلوب تھے۔متن کو ہر اعتبار سے مصنف کی منشا کے مطابق بحال کرنے کی کوشش کی اور مختلف روایتوں کے تقابل سے تصحیح متن کا بھر پور اہتمام کیا ہے۔

کلیات کا تنقیدی متن دس حصوں پر مشتمل ہے ۔ابتدائی سات حصوں میں مجموعہ ہائے کلام ہیں اور باقی تین حصوں میں غیر مدون کلام ،باقیات اور ضمائم شامل ہیں ۔غیر مدون کلام میں ایسا کلام شامل کیا گیا ہے جو کسی اور مجموعے میں شامل نہیں ہے۔اس کلام میں رباعیات کو سنین کے حساب سے ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔باقیات میں غزلوں کے متفرق اشعار ہیں ۔اکثر اشعار ایسے ہیں جنھیں یگانہ نے ایک بار رد کر کے دوبارہ قبول کیا ہے ،لہٰذا خواجہ صاحب نے بھی ان شعروں کو محفوظ کرنا مناسب سمجھا ہے۔سبھی مجموعہ ہائے کلام میں کتابت کی غلطیاں کثرت سے موجود ہیں ۔مرتب نے ان اغلاط کی نشاندہی حواشی میں ''س۔ک''(سہو کتابت) کے تحت کر دی ہے ۔اختلاف نسخ کو واضح کیا ہے۔حواشی میں آخری عنوان ''زمانہ تصنیف'' ہے جس میں مختلف تخلیقات کا زمانہ ہائے تصنیف متعین کرنے کی کوشش کی ہے ۔ایسی درج کردہ معلومات زیادہ تر رسائل سے حاصل کی گئی ہیں ۔اس سلسلے میں انھوں نے بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے پانچویں دہائی تک ڈیڑھ سو رسائل کے چار ہزار شماروں کا بہ وقت نظر مطالعہ کیا۔یہ محنت طلب کام کرتے ہوئے انھیں یگانہ کے درجنوں علمی و ادبی مضامین بھی دستیاب ہوئے جو حتمی نتائج کی تعیین میں مددگار

ثابت ہوئے۔مرتب نے کلام کے آخر میں الفاظ و محاورات کی ایک فرہنگ بھی شائع کی جو کلام یگانہ کو سمجھنے کے لیے بہت سودمند ہے کیونکہ انھی کے بقول:

> ''کسی ہم عصر شاعر کے کلام کے ساتھ فرہنگ شائع کرنا عجیب سی بات ہے کیونکہ غزل کی لفظیات تو روزمرہ گفتگو کا حصہ بن چکی ہے اور شاذ ہی کوئی شاعر کوئی ایسا لفظ استعمال کرتا ہے جس کے معنی جاننے کے لیے لغت دیکھنے کی ضرورت پڑے۔مگر یگانہ کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔اس نے اپنے لکھنوی حریفوں کو اپنی زبان دانی سے مرعوب کرنے کے لیے ایسے الفاظ اور محاورے استعمال کیے ہیں جن کے مفاہیم سے لکھنو کے عوام تو کیا خواص بھی کم کم ہی واقف تھے۔''(۲۴)

خواجہ صاحب نے اس کی ضرورت کو واضح کرنے کے لیے ایک رباعی کی مثال درج کی ہے:

آندھی اٹھ کر پہاڑ کے دامن سے
ہاتھی کو اڑا لے گئی کجلی بن سے
اب کون سی طاقت کرے پامال اس کو
پتانا پھرے جو ہلکے پن سے(۲۵)

اس رباعی کا لفظ ''پتانا'' آج کے قاری کے لیے منفرد اور اجنبی ہے۔عام لغات میں بھی یہ لفظ نہیں ملتا اور تاریخ ادب میں آتش کے بعد اس لفظ کو یگانہ نے ہی استعمال کیا ہے۔یگانہ کو زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں محاورات قابل ذکر تعداد میں موجود ہیں۔مشفق خواجہ کے بقول: ''یگانہ نے زبان دانی کی مہارت ظاہر کرنے کے لیے سامنے کے ایک لفظ کے مقابلے پر ایک اجنبی لفظ کے استعمال کو فوقیت دی ہے۔یگانہ چاہتے تو چوتھا مصرع اس طرح بھی لکھ سکتے تھے۔''شرمندہ رہے جو اپنے ہلکے پن سے''۔(۲۶) کلام کی تفہیم کی انھی مشکلات کے پیش نظر مرتب نے کلیات میں محدود پیمانے پر فرہنگ بھی شامل کی ہے۔انھوں نے فرہنگ میں الفاظ و محاورات کے وہ معنی دیے ہیں جو یگانہ کا مقصود تھے۔ان میں اکثریت ایسے لفظوں کی ہے جنھیں اساتذہ نے کم استعمال کیا ہے۔ان الفاظ سے نہ صرف یگانہ کی زبان دانی اور قدرت کلام کا اظہار ہوتا ہے بلکہ مشفق خواجہ کی لسانی بصیرت اور تحقیقی دلچسپیوں کی غمازی بھی ہوتی ہے۔تدوین متن کا کام کرنے والوں کے لیے ''کلیات یگانہ'' کی ترتیب و تدوین ایک ایسا کامل نمونہ ہے جس کی تقلید انھیں اپنی منازل سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ڈاکٹر خواجہ زکریا نے کلیات یگانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ''مشفق خواجہ نے کلیات یگانہ کم و بیش پچیس سال کی محنت شاقہ کے بعد تیار کی۔اس میں

یگانہ کا تمام کلام جمع کیا گیا ہے خواہ وہ مجموعوں کی شکل میں چھپ چکا تھا، غیر مطبوعہ شکل میں عزیز و اقارب کے پاس موجود تھا یا رسائل میں بکھرا ہوا تھا ۔اس مجموعے کے مقدمے، دیباچے، ضمیمے، حواشی اور تعلیقات انتہائی معلومات افزا اور قابل قدر ہیں ۔کلیات، متن کی اغلاط سے مبرا ہے ۔یہ کلیات تدوین کا کام کرنے والوں کے لیے ایک بے نظیر نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔"(۲۷)

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رشید حسن خاں: "ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ"، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰

(۲) مشفق خواجہ: "جائزہ مخطوطات اردو"، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۷

(۳) ایضاً، ص ۳۳ (۴) ایضاً، ص ۳۰۳ (۵) ایضاً، ص ۵۹۶

(۶) مشفق خواجہ، مرتب: "خوش معرکہ ءِ زیبا" از سعادت خان ناصر، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص ۳۹

(۷) ایضاً، ص ۴۷ (۸) ایضاً، ص ۴۰

(۹) ایضاً، ص ۵۶ (۱۰) ایضاً، ص ۱۰۵

(۱۱) ایضاً: "تحقیق نامہ"، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص ۸۸

(۱۲) ایضاً، "خوش معرکہ زیبا" محولہ بالا، ص ۱۰۷ (۱۳) ایضاً، ص ۹۴

(۱۴) ایضاً: "تحقیق نامہ"، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۸۰

(۱۵) ایضاً، ص ۳۸۵ (۱۶) ایضاً، ص ۳۲۸

(۱۷) ایضاً: "غالب اور صفیر بلگرامی"، کراچی، عصری مطبوعات، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۷

(۱۸) ایضاً: "تحقیق نامہ"، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص ۷۶

(۱۹) ایضاً، ص ۵۶ ۲۰۔ ایضاً، ص ۸۰ (۲۱) ایضاً، ص ۸۲

(۲۲) ایضاً، مرتب: "کلیات یگانہ"، کراچی، اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷

(۲۳) ایضاً، ص ۳۳ (۲۴) ایضاً، ص ۴۰ (۲۵) ایضاً، ص ۴۰ (۲۶) ایضاً، ص ۴۰

(۲۷) خواجہ زکریا، ڈاکٹر: مشفق انسان، لاجواب محقق، مضمون مشمولہ: "مشفق من خواجہ من" مرتبہ محمد عالم مختار حق، لاہور، بیت الحکمت، بک مین، ۲۰۰۶ء، ص ۳۷

❀❀❀